تذکرہ

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ

(ولادت: ۱۳۳۷ھ - وفات: ۱۴۰۶ھ)

زیرِ سایۂ عاطفت

حضرت اقدس مولانا احمد بزرگ صاحب سملکی دامت برکاتہم

(مہتمم: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک)

کاوش

عبداللہ بلساڑی

ناشر

شعبۂ تقریر وتحریر

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، گجرات، الہند

تفصیلات

نام کتاب:............تذکرہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ

کاوش:.. عبد اللہ بلساڑی

زیرِ سایۂ عاطفت:...............حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب سملکی مدظلہ

زیرنگرانی:......................حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی مدظلہ

صفحات:.. ۳۲

ناشر:..................شعبۂ تقریر وتحریر، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	عناوین	صفحہ نمبر
۞	پیش لفظ: از حضرت مفتی عبد القیوم صاحب راجکوٹی مدّظلّہ العالی	۵
	بابِ اول: سوانحی نقوش	
۱	ولادت، نام اور خاندان	۹
۲	تعلیم و تربیت	۱۰
۳	دیوبند کا سفر	۱۱
۴	دو عجیب واقعے	۱۲
۵	دیوبند میں داخلہ اور تعلیم	۱۴
۶	فراغت کے بعد	۱۴
۷	شادی	۱۵
۸	تدریسی خدمات	۱۵
۹	جامعہ ڈابھیل میں تشریف آوری	۱۶
۱۰	اندازِ تدریس	۱۶
۱۱	اجمیر میں تدریس	۱۷
۱۲	شمالی گجرات؛ چھاپی اور وڈالی میں تدریسی خدمات	۱۸

۱۳	چھاپی کے زمانۂ تدریس کا ایک واقعہ	۱۸
۱۴	جامعہ اسلامیہ عربیہ تاراپور میں تشریف آوری	۱۹
۱۵	وفاتِ حسرت آیات	۲۰
۱۶	اولاد	۲۰
	بابِ دوم: اوصاف وکمالات اور خصوصیات	
۱۷	سادگی اور استغنا	۲۲
۱۸	گوشہ نشینی اور تعویذ کا معمول	۲۴
۱۹	وعدہ کی پاسداری	۲۴
۲۰	مطالعہ وکتب بینی	۲۵
۲۱	طلبہ کے ساتھ شفقت	۲۵
۲۲	تواضع وانکساری	۲۷
۲۳	حضرتؒ کی ایک کرامت	۲۸
۲۴	علمی اور دینی خاندان	۲۹
۲۵	حضرت کی اہلیہ	۳۰
۲۶	خلاصۂ کلام	۳۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی مدّظلّہ العالی

(استاذِ حدیث وفقہ ومعین مفتی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم!

تاریخِ جامعہ کے لیے جب سے قلم چلا ہے اس کے رجال، اساتذہ و فضلا کی جستجو اِس طرح جاری ہے؛ جیسے کیمیا (رانگ کو سونا بنانے والی نبات) کا متلاشی ہر جڑی بوٹی اِس احتمال پر سونگھتا ہے کہ شاید یہی وہ مطلوب ہے جس کی تلاش میں مدتوں سے خاک چھانی جارہی تھی۔ اِسی طرح کتب وسوانح، بزرگوں کے تذکرے اور رسائل وجرائد کا مطالعہ کرتے وقت بھی یہی سودا سوار رہتا ہے، الحمدللہ ثمّ الحمدللہ! آئے دن قدم آگے بڑھ رہا ہے۔

اسی نوع کی ایک بزرگ ہستی حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب دیوبندیؒ (م: ۲۰؍ستمبر، ۱۹۸۶ء) کی ذاتِ گرامی ہے، موصوف دارالعلوم دیوبند کے فاضل، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے تلمیذِ خاص، جامعہ ڈابھیل کے مؤقر استاذِ حدیث اوردارالعلوم وڈالی و چھاپی کے شیخ الحدیث ہیں، جامعہ میں حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحبؒ کے دورِ اہتمام میں تشریف لاکر تدریسی خدمات انجام دیں۔

طویل عرصے تک موصوف کے مبارک نام کے سوا کچھ معلوم نہ تھا۔

۱۴۳۰ھ میں فاضلِ جامعہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم کی کتاب ''رشد وہدایت کے منار'' منظرِ عام پر آئی، اس سے تھوڑی بہت رہنمائی وروشنی ملی، اس کتاب کے ڈھائی صفحات ۵۳ تا ۵۵ میں مولانا مدّ ظلہم نے اپنے استاذِ محترم ومخدومِ مکرّم کا شاندار تذکرہ کیا ہے۔ مگر مولانا کی عظیم خدمات کے پیشِ نظر مزید جستجو جاری تھی، ''جوئندہ یابندہ'' مثل مشہور ہے، ابھی دو تین ماہ قبل رفیقِ درس مولانا فاروق صاحب قاضی (استاذِ حدیث دارالعلوم چھاپی، برادرِ معظّم قاری محمد رضوان صاحب پالنپوری زید مجدہ) کی وساطت سے معلوم ہوا کہ ''مولانا فضل الرحمن صاحب کے تذکرے کا مسوّدہ (۱۹ صفحات پر مشتمل) دارالعلوم چھاپی میں موجود ہے، جسے حضرت مولانا غلام رسول صاحب خاموشؒ کو حضرت مولانا فضل الرحمن صاحبؒ کے ایک صاحبزادے (جن کا اسمِ گرامی معلوم نہ ہوسکا) نے عنایت کیا تھا''۔ یہ سن کر ایسی خوشی ہوئی جیسے مفقود الخبر شخص کی یافت پر ہوتی ہے۔ چنانچہ مسوّدہ حاصل کرلیا گیا۔

پھر یہ بھی پتہ چلا کہ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحبؒ کے وڈالی کے قیام کے دوران حضرت قاری عبدالستار صاحب زید مجدہم (صدر القرا دارالعلوم وڈالی) کو خادم بننے کا شرف حاصل رہا ہے؛ اس لیے قاری صاحب زید مجدہم سے درخواست کی کہ اپنی یادداشت سے مولانا فضل الرحمن صاحبؒ کے احوال، واقعات اور ملفوظات قلم بند کرکے ارسال فرماویں، ہماری درخواست کو قبول فرماتے ہوئے

قاری صاحب نے چند صفحات تحریر فرما کر عنایت کیے، فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

راقم نے یہ سارا مواد جامعہ کے فعّال استاذ مفتی معاذ صاحب چارولیہ سلّمہ کے حوالے کر دیا کہ اسے مرتّب کروا کر طبع کرنا ہے، موصوف نے جامعہ کے ایک ہونہار طالبِ علم عبداللہ بلساڑی (درجہ عربی پنجم) کو چند رہنما خطوط بتلا کر اپنی نگرانی میں سوانحی خاکہ مکمل کروالیا، احقر نے دیکھا تو ماشاءاللہ! بہت خوب پایا، مرتِّب نے ایک مستقل سوانح ترتیب دے کر دل کو باغ باغ کر دیا۔ یہ اس تذکرے کا مختصر پس منظر ہے۔

اس رسالے کو منظرِ عام پر لانے میں ظاہری اسباب سے قطع نظر کرتے ہوئے اصل محرّک صاحبِ سوانح کا خلوص وللّٰہیت ہے، ان کے اس مختصر تذکرے میں اکابرِ دیوبند کا علمی رنگ چھلکتا ہے، خلوص وللّٰہیت اور تواضع ہمارے اکابر کا قیمتی اثاثہ ہے، صاحبِ تذکرہ ''كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ'' کا جیتا جاگتا نمونہ تھے:

رہے دنیا میں اور دنیا سے بے تعلق ہو
پھریں دنیا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی

یہ شعر بارہا سنا گیا؛ مگر اس کا عملی نمونہ صاحبِ سوانح کی زندگی میں دیکھا اور پڑھا جا سکتا ہے۔ مولانا فضل الرحمن صاحبؒ کا تذکرہ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا اور یہ صلاحیتیں انہوں نے صرف اور صرف خدمتِ حدیث ہی میں صَرف فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں مفتی معاذ صاحب اور عزیز عبداللہ سلّمہما کو کہ انہوں نے بڑی خوش اسلوبی اور جامعیت کے ساتھ حضرت مولانا کی مختصر سوانح ’’تذکرہ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب دیوبندیؒ‘‘ کے نام سے مرتّب فرمائی، جو ایک قابلِ قدر خدمت ہے۔ مولانا فاروق صاحب اور قاری عبدالستار صاحب زید مجدہما کے بھی ہم ممنون ہیں، جن کی وساطت سے صاحبِ سوانح کی حیات وخدمات کا مواد فراہم ہوا۔ نیز جامعہ کے فاضل مفتی ثمیر صاحب احمد آبادی سلّمہ کے بھی شکرگزار ہیں کہ اس کی طباعت میں حصہ لے کر صاحبِ سوانح سے عقیدت ومحبت رکھنے والے حضرات کے لیے تسکین کا سامان فراہم کیا اور جامعہ کی ایک گم شدہ کڑی کو زندۂ جاوید بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو اپنی شایانِ شان بدلہ عنایت فرماویں اور مزید خدماتِ علمیّہ ودینیّہ کے لیے موفّق فرماویں، آمین۔

احقر: العبد عبدالقیوم راجکوٹی

معین مفتی دارالافتا جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، گجرات

۲۷؍رجب المرجب ۱۴۳۸ھ بروز سہ شنبہ، بوقتِ چاشت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بابِ اول: سوانحی نقوش

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل پر روزِ اول ہی سے ''رحمٰن کا فضل'' موسلا دھار برستا رہا ہے، ''خشتِ اول'' رکھے جانے سے لے کر آج تک یہ جامعہ رحمتوں کی بارش میں بھیگتا رہا ہے، بارانِ رحمت کے ان قطروں میں آبِ نیساں کا وہ قطرۂ نایاب بھی ہے جو کہنے کو تو قطرہ ہے؛ مگر حقیقت میں سمندر ہے، دنیا نے اس قطرۂ نایاب کو ''حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دیوبندی'' کے نام سے جانا، پرکھا، جانچا اور پھر ٹوٹ کر اس سے اپنی علمی، عملی اور روحانی پیاس بجھائی۔ زیرِ نظر سطور میں ان ہی کی شخصیتِ عظمیٰ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ خدا کرے کہ امت ظلمت کدۂ مادیت میں روشنی کے ان سرچشموں (ذکرِ صالحین) سے رہنمائی حاصل کر کے منزلِ مقصود کو پالے، آمین۔

ولادت، نام اور خاندان

آپؒ کا اسمِ گرامی فضل الرحمن تھا۔ آپ اصلاً سرحد کے باشندے تھے، خاندانی سرنیم ''قریش'' تھا۔ آپ کی ولادت ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ میں پشاور (پاکستان) کے ضلع ہزارا کے ''دھم توڑ'' نامی ایک چھوٹے سے گاؤں میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام عبد اللہ اور دادا کا نام عبد الکریم تھا، والد اور دادا دونوں جیّد عالم اور اعلیٰ اخلاق کے حامل تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب شاہ کمالؒ (کیتھل، پنجاب)

کے واسطے سے حضرت علی کرّم اللہ وجہہ تک پہنچتا ہے۔آپ کی والدہ بڑی نیک خاتون تھیں؛لیکن آپ کے پیدا ہونے کے چند سال بعد ہی والدۂ محترمہ کا سایۂ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔والدہ کے انتقال کے بعد والدِ محترم نے دوسری شادی کرلی تھی۔آپ کی ایک بہن بھی تھیں جن کا نام شاہ جہاں تھا،والدہ کے انتقال کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مشفق بہن بھی داغِ مفارقت دے گئی۔

تعلیم وتربیت

آپ ایک بڑے علمی گھرانے کے چشم وچَراغ تھے،چنانچہ بچپن ہی سے طلبِ علمی میں مصروف ہوگئے،ابتدائی تعلیم اپنے وطن کے ماہر علما سے بہت ہی محنت ومجاہدہ کے ساتھ حاصل کی اور ضلع ہزارا کے ایک قصبہ''سرپنہ'' میں فصولِ اکبری،میبذی،قدوری اور شرحِ جامی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

خود حضرت فرمایا کرتے تھے کہ:''ہمارے زمانہ میں دارالاقامہ تو موجود نہ تھا،لہذا مسجدوں میں ٹھہر جاتے اور اساتذہ کے علوم سے فیضیاب ہوتے۔اساتذۂ کرام کے گھریلو کام کاج بھی کرتے،پہاڑوں پر جاکر پانی کے مٹکے بھر لاتے،جلانے کے لیے لکڑیاں لاتے اور بہت سی مرتبہ ایسا بھی ہوتا کہ استاذ ہل چلا رہے ہوتے اور ہم ان کے ساتھ چلتے ہوئے''صَرف'' کی گردان سناتے جاتے''۔

اسی محنتِ شاقّہ کا نتیجہ تھا کہ آپ کو بیشتر متونِ کتب حفظ یاد تھے۔

صرف ونحو سے فارغ ہوکر فقہ اور اصولِ فقہ اور ادبِ عربی کے سیکھنے کے

لیے اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، بقول حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم: ''قدیم علما کا یہی طرز تھا کہ ایک ایک فن کو حاصل کرتے جاتے تھے اور ہر فن کو اس کے ماہر اساتذہ کے پاس جا کر حاصل کرتے، اور ہر فن کا کوئی متن حفظ کر لیتے، تمام فنون اور علومِ آلیہ سے فارغ ہو کر اخیر میں حدیث و تفسیر کے اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔

ان علوم کو اس طرح حاصل کرنے میں کئی کئی سال گذر جاتے؛ مگر جب فارغ ہوتے تو پختہ استعداد لے کر نکلتے تھے''۔

مولانا نے بھی اسی طریقے سے اکتسابِ فیض کیا تھا، یہی وجہ تھی کہ آپ قوی الاستعداد اور پختہ صلاحیت کے حامل بنے۔

دیوبند کا سفر

علومِ آلیہ سے فراغت کے بعد تفسیر وحدیث کی علمی تشنگی بجھانے کے لیے تقسیمِ ہند سے پہلے جب کہ آپ کی عمر صرف ۱۶/سال تھی دیوبند جانے کا فیصلہ کیا۔

حضرت قاری عبدالستار صاحب اسلام پوری دامت برکاتہم کے بقول: ''جب آپ دیوبند جانے کے لیے تیار ہوئے تو پاکستان کے علاقے پشاور سے پیدل رختِ سفر باندھا، چونکہ سواری اور خرچ کا کوئی انتظام نہ تھا؛ لیکن دل میں حصولِ علم کا شوق موجزن تھا؛ اسی شوق کو لیے ہوئے اور راستوں کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے دیوبند پہنچے اور وقت کے کبار علما سے کسبِ فیض کیا۔

دو عجیب واقعے

اسی پیدل سفر کے دوران دو عجیب واقعے پیش آئے جن کو آپ کے صاحبزادے کی زبانی ملاحظہ فرمائیں، فرماتے ہیں کہ: ''حضرت کے پاس پیسے نہ تھے کہ دیوبند کا سفر بہ ذریعۂ سواری کرسکے، چنانچہ اپنی کتابیں کمر پر لاد کر دیوبند کی طرف پیدل روانہ ہوگئے۔ ایک واقعہ حضرت کے ساتھ پیش آیا جو وہ اکثر لوگوں کو سنایا کرتے تھے۔ ''دھم توڑ'' ایک چھوٹا سا قصبہ ہے، یہ قصبہ پہاڑی علاقہ میں واقع ہے، حضرت نے اپنا پیدل سفر اللہ کے نام سے یہیں سے شروع کیا، چلتے چلتے رات ہوگئی تو پہاڑوں سے طرح طرح کی آوازیں آنے لگیں، آپ کو ڈر محسوس ہوا؛ لیکن ''اللہ اللہ'' کا ورد کرتے ہوئے سفر جاری رکھا۔ آگے چلتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شیرنی اپنے بچہ کو دودھ پلا رہی ہے۔ شیرنی کو دیکھ کر حضرت خوف زدہ ہوگئے اور وہیں بیٹھ گئے، آہستہ آہستہ رونے لگے، اور زبان پر اللہ اللہ کا ورد جاری رہا۔

اچانک ایک حضرت سفید پوشاک پہنے بڑی داڑھی والے سامنے آگئے اور انھوں نے حضرت سے پوچھا: کیا بات ہے بیٹا؟ حضرت نے جواب دیا کہ: یہ شیرنی جو بیٹھی ہے مجھے اس سے ڈر لگ رہا ہے، یہ مجھے کھا جائے گی۔ تو وہ سفید پوش بزرگ بیٹھ گئے اور آپ سے کہا: آؤ! میری پیٹھ پر سوار ہوجاؤ، آپ ان کی کمر پر بیٹھ گئے اور وہ بزرگ آپ کو اٹھا کر چل دیے، انھوں نے حضرت سے پوچھا: تم کو

کہاں جانا ہے؟ آپ نے عرض کیا کہ: میں دیوبند مدرسہ میں پڑھنے جارہا ہوں۔ آپ نے پوری رات ان کی پشت پر سفر کیا، پھر ایک مقام پر ٹھہر گئے اور فرمایا: اتر جاؤ! اور آگے چلے جاؤ! اب آپ کو ڈر کی کوئی بات پیش نہیں آئے گی۔ یہ کہہ کر وہ اچانک غائب ہوگئے، آپ نے ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی؛ لیکن وہ کہیں نظر نہ آئے۔ اُس وقت حضرت نے غور سے دیکھا تو دن نکل چکا تھا اور آپ ایک لمبا فاصلہ نہایت قلیل وقت میں طے کر چکے تھے۔

حضرت کو چلتے چلتے دو روز ہوگئے تھے اور بالکل بھوکے تھے، کچھ دیر آرام فرما کر پھر چل دیے؛ لیکن بھوک نے بے حال کر رکھا تھا۔ راستے میں ایک عورت اپنے سر پر لکڑی کا ایک گٹھر لیے ہوئے ملی، اس کے ساتھ ایک چھوٹی لڑکی بھی تھی، حضرت نے اس عورت سے کہا: کہ مجھے بہت بھوک لگی ہے، کچھ روٹی کھلا دو۔ وہ عورت نہایت درشتی سے بولی: ہمارے پاس روٹی ووٹی نہیں ہے، اور یہ کہہ کر جھڑک دیا۔

حضرت چپ چاپ آگے چل دیے، ساتھ موجود بچی نے اپنی ماں سے کہا: اس بیچارے کو کھانے کے لیے کچھ دے دو۔ ماں نے اُس بچی کو بھی جھڑک دیا؛ لیکن بچی ضد کرنے لگی تو ماں نے کہا کہ: جا اور اس کو بُلا لا۔ وہ بچی حضرت کے پاس آئی اور کہا کہ: میری ماں آپ کو بلا رہی ہے۔ حضرت اس کے ساتھ چل دیے، اس کا مکان پہاڑوں میں تھا، وہ حضرت کو گھر لے گئی اور کچھ کھانے کو دے دیا۔ اس طرح حضرت نے اپنی دو دن کی بھوک مٹائی''۔

دیوبند میں داخلہ اور تعلیم

پھر بقول حضرت کے ’’انہیں کچھ یاد نہیں کہ دیوبند کیسے پہنچے؟‘‘ پھر دیوبند آکر داخلہ کی کارروائی میں مصروف ہوگئے اور ۱۰/شوال ۱۳۴۶ھ دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اور غالباً ۱۳۵۲ھ میں دارالعلوم سے سند فراغت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی، شیخ المنطق علاّمہ ابراہیم بلیاوی، اور شیخ الطریقت حضرت مولانا اختر حسین صاحب دیوبندی رحمہم اللہ جیسے متبحر علما شامل ہیں۔

فراغت کے بعد

زمانۂ طالب علمی میں آپ کی ایک طالبِ علم سے ملاقات ہوئی، جنھیں آپ نے اپنا رفیق بنالیا، ان کا نام محمد شریف خان دیوبندی تھا، انہوں نے حضرت کو اپنے ہی گھر رہنے کی اجازت دی، محمد شریف خان کی والدہ نے آپ کو اپنا بیٹا بنالیا اور آپ سے خوب محبت وشفقت کا برتاؤ کرنے لگی اور پوری زمانۂ طلبِ علمی میں آپ کا بھرپور ساتھ دیا۔ اسی زمانۂ طلبِ علمی کے دوران آپ خالی اوقات میں محلّہ کے بچوں کو دین کی تعلیم دیتے تھے۔

چنانچہ فراغت کے بعد آپ دیوبند کے محلّہ ’’پٹھان پورہ‘‘ میں مقیم ہوگئے، اور یوں آپ ’’دیوبندی‘‘ بن گئے، دیوبند کے اسی قیام کے دوران اپنے استاذ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ کے ساتھ

ہندوستان کی آزادی میں حصہ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے ادوار میں بڑے جذب وشوق کے ساتھ اپنے شیخ و استاذ کا ذکرِ خیر فرماتے۔ آپ کے صاحبزادے کے بقول: ''اسی عرصے میں آپ دارالعلوم کے سفیر بھی رہے''۔

شادی

فراغت کے بعد جب آپ کراچی تشریف لے گئے تو آپ کے دوست محمد شریف خان کی والدہ جو آپ کو اپنا بیٹا گردانتی تھیں، انہوں نے شادی کے سلسلہ میں کوشش شروع کردی اور بالآخر دیوبند کے ایک معزز خاندان میں منشی عبداللہ خان صاحب کی بیٹی اکبری خانم سے رشتہ طے پایا۔ چنانچہ ۲۷/رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ میں آپ کی شادی خانہ آبادی بڑی سادگی سے انجام پائی، تمام شرکائے محفل روزے سے تھے، نکاح کے چھوارے لے کر سب لوگ گھر واپس آگئے اور حضرت ہی کے گھر پر افطاری کا نظم کیا گیا۔ شادی کے بعد آپ تقریباً پندرہ سال تک مولانا شریف صاحب ہی کے گھر مقیم رہے۔

تدریسی خدمات

کچھ مدت کے بعد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ آپ کو اپنے ہمراہ کراچی لے گئے اور وہاں ایک مدرسہ ''دارالعلوم محلّہ کھڈہ'' میں تقرر کروایا، وہاں تقریباً آٹھ سال تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر وہاں سے ملازمت چھوڑ کر دیوبند آگئے اور آتے ہی دیوبند کے ایک قریبی گاؤں ''دم چھیڑہ'' میں تدریس کا

سلسلہ شروع کردیا؛ لیکن کراچی والے آپ کے گرانقدر علوم ومعارف کا حال دیکھ چکے تھے، اس لیے وہاں سے مسلسل خطوط پر خطوط آنے لگے کہ آپ دوبارہ تشریف لے آیئے۔ چنانچہ کچھ عرصے کے بعد دوبارہ تشریف لے گئے اور بارہ سال تک وہاں خدمت انجام دی۔

پھر ۱۹۶۴ء کے انقلاب کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے دیوبند تشریف لے آئے اور اس کے بعد پھر کبھی پاکستان نہ گئے۔ دیوبند آکر میرٹھ کے قریب ایک دیہات ''ویٹھ'' کے مدرسہ میں کئی سال تک پڑھایا۔ اس کے بعد زندگی کے آخری ۳۰ ؍سال گجرات میں علمِ حدیث کی اہم اور گرانقدر خدمات انجام دیں۔

جامعہ ڈابھیل میں تشریف آوری

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم کے بقول:
''۱۹۵۰ء کے بعد جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل تشریف لائے اور درجاتِ علیا کی کتابیں: ہدایہ آخرین، مختصر المعانی اور ابوداؤد وغیرہ کا درس بڑی لگن اور محنت سے دیتے رہے، رات دو بجے تک مطالعہ کی عادت تھی، بغیر مطالعہ کبھی درس نہ دیتے تھے، اسباق کی پابندی مثالی تھی۔ بندہ نے آپ سے ہدایہ آخرین اور ابوداؤد پڑھی''۔

اندازِ تدریس

ہدایہ کا درس نہایت مقبول تھا، اندازِ درس بھی عجیب نرالا تھا۔ آپ کے نامور شاگرد حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم درسِ ہدایہ کی

کیفیت کا نقشہ بایں الفاظ کھینچتے ہیں کہ: ہدایہ آخرین بعد نمازِ ظہر دو گھنٹے ہوتی، معمول یہ تھا کہ ایک گھنٹہ گذرنے پر کتاب بند کر کے پان کی ڈبیہ ہاتھ میں لے کر پان کھاتے اور کوئی دلچسپ قصہ سناتے، جس سے طلبہ میں نشاط پیدا ہوجاتا اور دس منٹ کے بعد درس پھر اُسی سنجیدگی سے شروع ہوجاتا۔ کبھی کبھی درس کی تقریر بند کر کے سوال کرتے اور اپنے مخصوص لہجہ میں فرماتے: بتاؤ! اس مسئلہ میں میں نے کیا کہا؟ نہ بتلانے پر شدید ناراضگی کا اظہار فرماتے اور کہتے: ''ہم تو آپ کی خاطر رات دو دو بجے تک جھک مارتے ہیں اور آپ توجہ سے سنتے بھی نہیں''۔

دورانِ تدریس آپ کی خصوصیت تھی کہ اکثر زبانی عبارت خوانی فرماتے، بقول حضرت قاری عبدالستار صاحب دامت برکاتہم: ''میں نے بعض طلبہ سے سنا کہ دورانِ درس: نحو، منطق، کافیہ، اور شرحِ تہذیب کی عبارت زبانی پڑھتے جاتے، ایسا معلوم ہوتا کہ مولانا کو فنون کی کتابیں از اول تا آخر حفظ ہیں۔

اجمیر میں تدریس

''تاریخِ جامعہ'' میں لکھا ہے کہ: آپ ۱۳۶۷ھ میں جامعہ سے الگ ہوگئے؛ لیکن آئندہ سال ۱۳۶۸ھ میں دوبارہ جامعہ میں تشریف لے آئے۔ چند سال بعد آپ کے صاحبزادے کے بقول: ''اجمیر شریف ایک مدرسہ میں تشریف لے گئے اور وہاں تدریسی خدمات انجام دیں؛ لیکن ابھی چند ہی مہینے گذرے تھے کہ آپ کو بدعتیوں نے پریشان کرنا شروع کر دیا، تب ہی آپ کی ملاقات بابا تاج

الدینؒ سے ہوئی، جنھوں آپ کو شمالی گجرات کے مدرسہ ’’چھاپی‘‘ تشریف لے جانے کا مشورہ دیا۔

شمالی گجرات: چھاپی اور وڈالی میں تدریسی خدمات

اس کے بعد آپ شمالی گجرات کے علاقۂ پالن پور کی قدیم دینی درس گاہ دارالعلوم چھاپی تشریف لے گئے اور وہاں کے ’’شیخ الحدیث اول‘‘ بنے اور ایک عرصے تک بخاری شریف کا درس دیا۔

چھاپی کے زمانۂ تدریس کا ایک واقعہ

جس وقت آپ چھاپی تشریف لائے تو مدرسہ زیرِ تعمیر تھا؛ اس لیے مسجد کے کمروں میں درس ہوتا تھا، وہیں پر آپ بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے۔ جس سال پہلی مرتبہ ختمِ بخاری کا درس ہوا، ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ: جس کمرے میں آپ نے ختمِ بخاری کا درس دیا اس کمرے سے تین روز تک بہترین خوشبو پھوٹتی رہی، جس کو مدرسے کے مہتمم حضرت مولانا عبداللہ صاحب سیوانی، طلبہ اور آپ کے صاحبزادے سیف الرحمن نے بھی محسوس کیا۔

حضرت قاری عبدالستار صاحب اسلام پوری دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ: ’’جب مَیں جامعہ وڈالی میں درجۂ عربی دوم میں زیرِ تعلیم تھا اُس وقت میری عمر ۱۳؍سال تھی، سالانہ امتحان کے موقع پر ایک صاحب: پستہ قد، عمامہ باندھے ہوئے، ہاتھ میں عصا، سادہ لباس میں ملبوس کسی صاحب کی معیت میں دارالعلوم

چھاپی سے مہمان کی حیثیت سے تشریف لائے، یہی حضرت مولانا فضل الرحمن صاحبؒ تھے، اِسی موقع پر حضرت کا آئندہ سال سے دارالعلوم وڈالی میں ''شیخ الحدیث'' کی حیثیت سے تقرر ہوا اور ۱۹۷۳ء سے حضرت مولانا دارالعلوم وڈالی میں بخاری شریف کا درس دینے لگے اور مکمل چار سال تک بخاری شریف کا درس دیا، پہلے سال دورۂ حدیث کے نمایاں طلبا میں حضرت مولانا انور صاحب (سابق شیخ الحدیث جامعہ ہدایت الاسلام عالی پور و جامعہ تعلیم الاسلام آنند) بھی تھے۔

آپ بہت ہی متواضع اور منکسر المزاج شخص تھے، بُڑھاپے کے باوجود اسباق کی پابندی مثالی تھی، تمام اہالیانِ مدرسہ کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے، یہاں تک کہ اگر کوئی طالبِ علم بیمار ہوجاتا تو خود اس کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے، یہی وجہ تھی کہ جامعہ کے تمام اساتذہ کو آپ سے بڑی عقیدت تھی اور سبھی لوگ عزت واحترام کا معاملہ فرماتے تھے''۔

جامعہ اسلامیہ عربیہ تاراپور میں تشریف آوری

دارالعلوم وڈالی میں خدمت انجام دینے کے بعد ۱۹۷۷ء میں جامعہ اسلامیہ عربیہ تاراپور، ضلع کھیڑا، گجرات میں ''شیخ الحدیث'' کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ ایک مرتبہ چھٹی کے موقع پر جب دیوبند تشریف لے گئے تو حضرت کے بیٹے نے آپ کو جانے سے روک دیا کہ: آپ کی طبیعت ناساز رہتی ہے، آپ گھر ہی پر آرام فرمائیں۔ تو مدرسہ تاراپور کے مہتمم صاحب خود دیوبند تشریف لے گئے اور کہا

کہ: میں حضرت کو لینے آیا ہوں، اگر کوئی پریشانی ہو تو مجھے بتلاؤ۔

آپؒ کے بیٹے نے کہا کہ: پریشانی کچھ نہیں، حضرت کی طبیعت ناساز رہتی ہے، آپ کسی اور شیخ الحدیث صاحب کا انتظام کر لیجیے، مہتمم صاحب نے تنخواہ بڑھانے کی پیش کش کی تو کمالِ استغنا سے حضرت نے فرمایا: ’’بات تنخواہ کی نہیں۔ چلئے! اب آپ آ ہی چکے ہیں تو میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں؛ لیکن پرانی تنخواہ ہی پر کام کروں گا، تنخواہ بڑھانے سے مدرسہ پر ایک بوجھ بڑھے گا، اللہ کا شکر ہے کہ اس تنخواہ پر سب ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے‘‘۔ اور پھر اسی سابقہ تنخواہ پر ۱۹۸۳ء تک تاراپور میں ’’شیخ الحدیث‘‘ کے منصب پر فائز رہے؛ لیکن ۱۹۸۳ء میں جب حضرت کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا تو دوبارہ آپ دیوبند تشریف لے گئے اور پھر تا ’’دمِ واپسیں‘‘ دیوبند ہی میں مقیم رہے۔

وفاتِ حسرت آیات

اخیر عمر میں آپؒ پیرانہ سالی کی وجہ سے نڈھال ہو چکے تھے اور اکثر طبیعت خراب رہا کرتی تھی، چنانچہ ۲۰/ستمبر ۱۹۸۶ء سنیچر کے روز آپ کی وفات ہوئی اور دیوبند میں ’’بھیلا پھاٹک‘‘ کے پاس والے قبرستان میں اپنی اہلیہ کے ساتھ مدفون ہوئے۔

اولاد

آپ کی کل ۹/اولاد ہوئی، جن میں ایک لڑکی اور آٹھ لڑکے تھے، جن کی

تفصیل آپ کے صاحبزادے کی روایت کے مطابق کچھ اس طرح ہیں:

پہلا لڑکا جناب حافظ مولانا ڈاکٹر عطاء الرحمن خان قاسمی ہیں، جنھوں نے ذاتی مطب پر میڈیکل پریکٹس کی۔ان کی چودہ اولاد ہوئی،جن میں سے ۱۲/ حیات ہیں اور اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔ڈاکٹر صاحب ۵۵/سال کی عمر گزار کر کینسر کے مرض میں وفات پا گئے۔

دوسرے لڑکے کا نام مولانا سیف الرحمن خان قاسمی ہے، فی الحال ضلع مظفر نگر یوپی میں میڈیکل پریکٹس کرتے ہیں۔ان کے دو بچے پیدا ہوئے: ایک لڑکا اور ایک لڑکی،لڑکی تین سال کی عمر میں وفات پا گئی،لڑکا ڈاکٹر مقبول الرحمن خان فی الحال دیوبند کے ایک قریبی گاؤں میں میڈیکل پریکٹس کرتا ہے۔

تیسرا لڑکا محمد یوسف، چوتھا عبدالحق، پانچواں عبدالعزیز؛ یہ تینوں لڑکے بچپن ہی میں وفات پا گئے۔

چھٹے نمبر پر رضیہ خانم،عرف: حافظہ مریم ہیں،جن کی شادی مولانا فاروق صاحب قاسمی گونڈوی سے ہوئی، مولانا فاروق صاحب دیوبند میں ایک فیکٹری چلاتے ہیں۔

ساتواں لڑکا حافظ عبدالرحمن ہیں، جو اپنا ذاتی مدرسہ(مدرسہ اکبری) چلاتے ہیں،جن میں بچوں کو حفظِ قرآن اور ناظرہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔

آٹھواں لڑکا حافظ مولانا اسحاق خان ہیں،جنھوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم۔اے(MA) (معاشیات) کی تعلیم حاصل کی، ۲۳/سال تک

ایک سرکاری محکمہ میں ملازمت پر رہے، بعد میں وہاں سے ریٹائرڈ ہوگئے، قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں(C.B.S.E) برائٹ ہوم پبلک اسکول Bright Home Public School(انگلش میڈیم) میں انگلش مضمون پڑھانے کا کام انجام دے رہے ہیں۔

نواں لڑکا الحاج خلیل الرحمن خان ہیں، جو اپنا ذاتی مدرسہ(مدرسہ جامع القرآن، مولانا فضل الرحمن میموریل اسکول) دیوبند میں چلا رہے ہیں، جس میں دینی وعصری دونوں قسم کی تعلیم دی جاتی ہے۔

بابِ دوم: اوصاف وکمالات اورخصوصیات

سادگی اوراستغنا

حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب دیوبندیؒ سادگی اوراستغنا کا مجسم نمونہ تھے۔آپؒ جہاں بھی ملازمت پر رہے تمام تنخواہ گھر پہنچادیا کرتے تھے،ایک پیسہ اپنے پاس بچا کر نہ رکھتے۔اگر جائے ملازمت دور ہوتی توتعطیلاتِ رمضان میں گھرتشریف لے آتے۔کپڑے آپ کی اہلیہ خود سیتی تھی، اپنی ملازمت کے زمانے میں کبھی کوئی کپڑا نہیں خریدا، ہمیشہ کھدّر پہننے کا معمول تھا؛اس لیے کہ آپ کے شیخ حضرت مدنیؒ کو یہی پسند تھا۔ٹرین کا سفر کبھی ریزرویشن سے نہیں کیا، جنرل ٹکٹ سے سفر کرنا پسند فرماتے۔کبھی کسی پریشان حال کو تعویذ بنادیتے تو اس سے معاوضہ نہ لیتے۔

رمضان میں جب گھر تشریف لاتے تو گھر ہی میں سارا وقت گزارتے، اکثر گھر کے لوگوں کو اکٹھا کر کے بیٹھ جاتے اور دین کی باتیں سکھلاتے اور کبھی تو بات کرتے کرتے آنکھوں سے آنسو تک بہہ پڑتے۔

حضرتؒ کی زندگی میں کئی مالدار لوگ جو آپ کے مرید تھے، تشریف لاتے اور بار بار کہتے تھے کہ: حضرت! آپ اجازت دیں، ہم آپ کے لیے عالیشان مکان تعمیر کروادیں؛ لیکن حضرت سختی سے منع کرتے اور فرماتے: ''دنیا کا سفر تو بہت مختصر سا ہے، اسی میں گذر بسر کرلوں گا''۔ اور یہی ہوا کہ آپ نے پوری زندگی اپنے کچے مکان ہی میں گزاردی، جہاں بجلی تک نہ تھی، ٹمٹماتے چراغ کی روشنی کے سائے میں پوری عمر بتادی۔

ایک مرتبہ ایک طالبِ علم نے ٹیبل فین (فرشی پنکھا) بطور ہدیہ کے پیش کیا تو فرمایا: ''میں اس ''چرخہ'' کو کیا کروں گا، میرے یہاں تو بجلی بھی نہیں ہے، سمجھ لو کہ میں نے لے لیا، اب اسے تم ہی رکھ لو''۔

آپ کے شاگردِ خاص حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم شہادت دیتے ہیں کہ: ''مولانا بہت سادہ زندگی کے عادی تھے''۔ نیز حضرت قاری عبدالستار صاحب دامت برکاتہم رقم طراز ہیں کہ: ''آپ کی طبیعت میں سادگی تھی، تصنّع نام کو نہ تھا''۔ آپ کے صاحبزادے بھی یہی فرماتے ہیں کہ: ''بالکل سادہ زندگی گزارنا آپ کا معمول تھا، البتہ پان اور ٹھنڈے پانی کے شوقین تھے''۔

گوشہ نشینی اور تعویذ کا معمول

آپ شہرت سے بھاگنے والے اور گوشہ نشینی کو پسند کرنے والے تھے، لوگوں سے زیادہ میل جول کو پسند نہ فرماتے تھے۔ رمضان کی چھٹیوں میں جب گھر تشریف لے جاتے تو اپنے گھر کے حجرے میں سارا وقت گزارتے تھے، صرف نماز پڑھنے کے لیے مسجد تشریف لے جاتے، جب لوگوں کو آپ کی آمد کا علم ہوتا تو بہت سے لوگ آپ کو ملنے کے لیے گھر آتے اور دعاؤں کی درخواست کرتے، باقی وقت ذکر واذکار میں گذرتا تھا۔

اسی طرح اگر کوئی پریشان حال آپ کے پاس آتا تو اسے تعویذ بنا کر دیتے، لیکن مستقل تعویذ بنانے کے لیے کسی جگہ تشریف نہ لے جاتے اور نہ مستقل تعویذ کا مشغلہ تھا۔ حضرت قاری عبدالستار صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں کہ: ''حضرت کے تعویذات سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو خوب نفع پہنچاتے تھے، یہ سب آپ کے تقویٰ کی برکت تھی''۔

وعدہ کی پاسداری

جس وقت آپ کے والدِ محترم پاکستان سے انڈیا میں دیوبند تشریف لائے، تو اپنے بیٹے سے ''دھم توڑ'' (پاکستان) آنے کو کہا؛ لیکن چونکہ آپ نے شادی سے پہلے اپنے خسر منشی عبداللہ خان صاحب سے وعدہ کیا تھا کہ میں اپنے وطن پاکستان کبھی نہیں جاؤں گا، اسی شرط پر آپ کی شادی دیوبند میں ہوئی تھی اور

اس کی وجہ یہ تھی کہ منشی جی کے گھرانے کے لوگ اِس رشتے سے ناخوش تھے کہ یہ باہر کا آدمی ہے، کبھی بھی اپنی اہلیہ کو چھوڑ کر اپنے وطن جا سکتا ہے۔ مگر آپؒ نے اخیر عمر تک اس عہد کا پاس ولحاظ رکھا؛ یہاں تک کہ ''پشاوری'' سے ''دیوبندی'' بن گئے اور کبھی پاکستان جانے کا ارادہ تک نہ فرمایا۔

مطالعہ وکتب بینی

ایک کامیاب مدرّس کے لیے مطالعہ وکتب بینی نہایت ہی اہم امر ہوا کرتا ہے۔ آپؒ کا زندگی بھر معمول رہا کہ بغیر مطالعہ کے کبھی درس نہیں دیا، رات دو دو بجے تک مطالعہ وکتب بینی کا مشغلہ رہتا۔ نیز دیگر اوقات میں بھی آپؒ زیادہ سے زیادہ وقت کتب بینی میں گزارتے اور فضول گوئی سے مقدور بھر اجتناب فرماتے۔ کثرتِ مطالعہ وکتب بینی کے باعث آپ کا درس معلومات کے خزانوں سے اتنا بھرپور اور نشاط انگیز ہوتا کہ طلبا آپ کا درس گھنٹوں سنتے؛ لیکن اکتاہٹ محسوس نہ کرتے۔

طلبہ کے ساتھ شفقت

اس علمی وعملی قابلِ رشک زندگی کے ساتھ ساتھ طلبہ سے بھی آپ کا ربط برقرار تھا اور نہ صرف برقرار؛ بلکہ ان کے حالات کی خبر گیری کرتے، ان کی پریشانیوں کو دور فرماتے اور ان کے جلتے زخموں پر اپنی شفقت ومحبت کا مرہم رکھتے تھے۔

حضرت قاری عبدالستار صاحب اسلام پوری دامت برکاتہم فرماتے ہیں

کہ: ’’وڈالی کے زمانہ میں جب حضرت کی تشریف آوری ہوئی اس وقت بندہ عربی سوم کا طالبِ علم تھا، اس لیے حضرت سے مستقل استفادہ کا موقع نہ مل سکا؛ لیکن مطبخ سے کھانا لاکر کھلانے کی خدمت اپنے ذمہ لے لی، حضرت اس خدمت پر نہایت خوش ہوتے اور خوب دعائیں دیتے۔ کبھی نحو وصرف کے بارے میں کوئی مسئلہ بھی پوچھ لیتے اور غلطی کی اصلاح بھی فرماتے۔

حضرت طلبا کے ساتھ نہایت شفقت کا معاملہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ اچانک میری طبیعت خراب ہوگئی، پیٹ میں شدید درد اٹھا، میرے بڑے بھائی مولانا صابر صاحب وڈالی کے مدرس تھے، طلبا نے مجھے ان کے یہاں پہنچا دیا، حضرت کو پتہ چلا تو حضرت خود بہ نفسِ نفیس تشریف لائے اور آیاتِ شفا پڑھ کر دَم کیا، دوا بھی ساتھ لائے تھے، وہ بھی پلائی، الحمدللہ! افاقہ ہوا۔ ایک ادنیٰ طالبِ علم کے ساتھ حضرت کا یہ سلوک دیکھ کر میں بہت متأثر ہوا‘‘۔

اسی طرح حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ: ’’دورانِ تدریس سبق موقوف فرما کر سوال کرتے اور جواب نہ بتلانے پر شدید ناراضگی کا اظہار فرماتے اور بسا اوقات ساتھیوں کی خاموشی پر اس ناچیز کی طرف توجہ فرماتے اور اپنے مخصوص لہجہ میں فرماتے: چھوکرا! تو کیا سمجھا ہے؟ اُس وقت میری عمر ۱۹؍سال کی تھی، ابھی ڈاڑھی بھی برابر نہ نکلی تھی، اس لیے مولانا مجھے ’’چھوکرا‘‘ کہہ کر خطاب فرماتے تھے۔ اگر تھوڑا مطلب بیان کر دیتا تو فرماتے: ’’تم سب ’’بُزِ اخفش‘‘ ہو، یہ ’’چھوکرا‘‘ کچھ سمجھتا ہے۔ جمعہ کے دن حضرت کے

کمرے پر حاضر ہوتا اور کمرے کی صفائی کرلیتا تو اس پر آپ بہت دعاؤں سے نوازتے‘‘۔

تواضع وانکساری

حضرت بڑے منصب پر فائز ہونے کے باوجود مدرسے کے دیگر اساتذہ سے بڑی محبت رکھتے اور متواضعانہ طور پر پیش آتے تھے، پوری زندگی تدریس کے زمانہ میں مطبخ ہی کا کھانا تناول فرمانے کا معمول رہا۔

حضرت قاری عبدالستار صاحب اسلام پوری دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ:’’ وڈالی میں ایک مرتبہ طلبہ کے درمیان اختلاف ہوا، ایک ہنگامہ برپا ہوگیا حضرت مولانا اپنے کمرہ میں موجود تھے اور مہتمم صاحب مدرسہ میں حاضر نہ تھے، حضرت کمرے سے عصا ہاتھ میں لیے باہر آئے اور جنہوں نے طلبہ کو مارا تھا ان کو زدوکوب کیا اور ایسے بگڑے کہ سنّاٹا چھا گیا، بڑے غصے سے فرما رہے تھے: کہاں ہیں وہ بچے؟ ان کو سامنے لاؤ۔ مہتمم صاحب آئے، کارروائی شروع ہوئی، طلبہ کا اخراج ہوا؛ لیکن مظلوم طلبہ کا مطالبہ کچھ اور بھی تھا، جس کو پورا کرنا مصلحت کے خلاف تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت کو بلایا گیا، حضرت نے ان طلبہ کو سمجھایا اور اپنی ٹوپی نکال کر ان کے سامنے رکھ دی کہ حضرت مہتمم صاحب کے فیصلہ پر راضی ہوجاؤ۔

طلبہ رونے لگے، اور فرمایا: حضرت ہم مان لیتے ہیں۔ جامعہ کے نظام

میں خلل نہ ہو اور انتشار ختم ہو جائے اس کے خاطر آپ نے آخری درجہ کی تواضع پیش کی، طلبہ بھی نہایت نادِم ہوئے اور یوں ایک ہنگامہ سکون میں تبدیل ہو گیا۔

حضرتؒ کی ایک کرامت

آپ کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ: ''حضرتؒ ایک قصہ کثرت سے سنایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ وہ بس میں سفر کر رہے تھے، بُڑھاپے کی کمزوری کی وجہ سے بس کنڈکٹر کی سیٹ پر بیٹھ گئے، کیونکہ کہیں اور جگہ نہیں مل سکتی تھی، اس کنڈکٹر نے حضرت سے فوراً سیٹ چھوڑنے کو کہا، حضرت نے فرمایا: میں بیمار و کمزور ہوں، مجھے بیٹھا رہنے دے، میں کھڑا ہو کر سفر نہیں کر سکتا۔ لیکن کنڈکٹر اپنی ضد پر اڑا رہا، اور غصے میں آکر آپ کا سامان بس سے باہر پھینک دیا، اور کہا: بس سے اتر جاؤ، حضرت بولے: میں تو اتر جاتا ہوں؛ لیکن اب تیری یہ بس نہیں چلے گی۔ کنڈکٹر نے کہا: چل جا! ایسا کہنے والے میں نے بہت دیکھے ہیں۔ یہ کہہ کر بس آگے بڑھادی، بس تھوڑی ہی دور گئی تھی کہ رک گئی اور اس کا انجن خراب ہو گیا، تمام لوگوں کو نیچے اتارا گیا، اور میکنک کو بلایا گیا، اس نے بتایا کہ: بس کا انجن خراب ہو گیا ہے، اس کو ٹھیک کرنے میں کئی دن لگ جائیں گے، اور بس کو ورک شاپ پر لے جانا ہوگا۔

بس پر سوار لوگوں نے محسوس کیا کہ کنڈکٹر نے حضرت کے ساتھ جو بدتمیزی کی تھی، یہ اسی کا نتیجہ ہے، لہٰذا مسافروں نے اس بس کنڈکٹر کے سامنے حضرت کو واپس بلانے کی تجویز پیش کی کہ ان بزرگ کو بلالو، ہو سکتا ہے بس چل پڑے، تو کئی

لوگ حضرت کے پاس گئے اور خوشامد کر کے حضرت کو بلا لائے اور ان سے بس میں بیٹھنے کی درخواست کی، حضرت مان گئے اور بس میں بیٹھ گئے، اور ڈرائیور سے بولے کہ: بسم اللہ پڑھ کر گاڑی اسٹارٹ کرو۔ ڈرائیور نے بسم اللہ پڑھ کر بس اسٹارٹ کی تو وہ اللہ کے حکم سے چل پڑی، اور منزلِ مقصود پر خیریت سے پہنچ گئی۔

اس واقعہ سے تمام مسافر، کنڈکٹر اور ڈرائیور بہت متاثر ہوئے، ڈرائیور اور کنڈکٹر اپنی غلطی پر بہت پچھتائے، معافی تلافی کی اور ہمیشہ کے لیے حضرت کے مرید ہو گئے''۔

علمی اور دینی خاندان

آپؒ نہایت معزز گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، آپ کے دادا، والد، اور تمام بھائی اونچے درجہ کے علما میں سے تھے؛ لیکن لوگوں کو اس کا علم نہ تھا۔ چنانچہ جب آپ کے یہاں پہلے بچہ کی ولادت ہوئی تو آپ کے والدِ گرامی حضرت مولانا عبداللہ صاحب پاکستان سے تشریف لائے اور اپنے بیٹے اور پوتے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے، پوتے کا نام عطاء الرحمن رکھا۔ یہ ۱۵ر سال بعد باپ اور بیٹے کی ملاقات ہو رہی تھی، لوگوں کو ان کے آنے سے بڑی خوشی ہوئی اور آپ کے والد صاحب کو مختلف مسجدوں میں وعظ کے لیے مدعو کیا گیا، تقریباً ہر روز ایک الگ مسجد میں وعظ فرماتے، اُس وقت لوگوں کو پتہ چلا کہ مولانا فضل الرحمن صاحب علمی گھرانے کے چشم و چَراغ ہیں۔

اسی طرح دارالعلوم دیوبند کے جلسۂ صد سالہ کے موقعہ پر ۱۹۸۰ء میں حضرت کے عزیز واقارب پاکستان سے دیوبند تشریف لائے۔ یہ حضرات جب آپ کے گھر تشریف لائے تو گھر پر عجیب منظر تھا جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، چونکہ یہ لوگ پہلی مرتبہ دیوبند تشریف لائے تھے، جن میں حضرت کے پانچ بھائی بھی تھے: مولانا شفیق الرحمن صاحب، مولانا مقبول الرحمن صاحب، مولانا حبیب الرحمن صاحب، مولانا ایوب صاحب، مولانا خلیل الرحمن صاحب اور ان کے ساتھ اور بھی لوگ تھے، جب حضرت اور ان کے بھائی راستے سے گذرتے تو لوگ کہتے تھے: یہ کیسے نیک لوگ ہیں، گویا کہ فرشتے ہیں۔ حضرت اور آپ کے تمام بھائی پگڑی باندھتے تھے، یہ حضرات کئی روز تک دیوبند میں رہے، پھر پاکستان سے اسپیشل ٹرین آئی تھی، اس سے واپس چلے گئے۔

بہرحال آپ بہت اونچے اور نیک خاندان سے تعلق رکھتے تھے، حضرت کے یہ تمام بھائی کسی نہ کسی مدرسہ کے مہتمم اور شیخ الحدیث تھے۔

حضرت کی اہلیہ

آپ کی اہلیہ محترمہ ایک معزز گھرانے کی خاتون تھیں، دین دار تہجد گزار اور نیک طبیعت کی مالکہ تھیں، بیعت کا تعلق شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ سے تھا، پردہ کا اتنا اہتمام فرماتیں کہ کسی غیر محرم تک آپ کی آواز بھی نہ پہنچنے پاتی تھی۔

طبیعت ومزاج میں سادگی تھی، سخاوت وفیاضی طبیعتِ ثانیہ بن چکی تھی، عمر بھر آپ کا یہ معمول رہا کہ روزانہ دارالعلوم دیو بند کے کسی ایک طالبِ علم کو کھانا تیار کر کے بھجوانا آپ نے اپنے ذمہ فرض کر رکھا تھا۔ نیز محلّہ اور اطراف کی عورتوں کو قرآنِ کریم پڑھاتیں، جس پر نہ کوئی اجرت لیتیں اور نہ کوئی گھریلو خدمت، دیو بند کی سینکڑوں بچیاں آپ کی فیض یافتہ ہیں۔

حضرت پورا سال گھر سے دور رہ کر تدریسی خدمت انجام دیتے اور اہلیہ محترمہ گھر کو ذمہ داری سے چلاتیں، معمولی سی تنخواہ پر تمام بچوں کو دینی اور عصری تعلیم سے آراستہ کیا۔ آپ ''مُولیَن'' کے نام سے مشہور تھیں، ہر ہفتہ سنیچر کے روز محلّے کی عورتوں کو مدعو کرتیں اور دین کی تبلیغ فرماتیں۔ ۱۹۸۳ء کو ماہ جنوری سنیچر کے روز اس دارِفانی سے کوچ کر گئیں۔

ان کے بعد آج تک تبلیغ کا یہ سلسلہ جاری ہے اور یہ کارِ خیر آپ کی ایک نیک بیٹی مریم خانم انجام دیتی ہیں، اور ساتھ میں والدۂ محترمہ کی طرح چھوٹی چھوٹی بچیوں کو پڑھاتی بھی ہیں۔

خلاصۂ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مولانا کی زندگی علمی وعملی اعتبار سے لائقِ تقلید اور قابلِ رشک رہی، کمّیت وکیفیّت دونوں اعتبار سے آپ کا علمی فیض نہایت وسعت کا حامل رہا، مبدأ فیاض کی جانب سے نسبی وروحانی اولاد بھی نہایت لائق فائق اور

خوب تر نصیب ہوئی، غرض ایک کامیاب عالمِ دین کی زندگی گزار کر تشریف لے گئے اور اپنی طبعی شرافت، سادگی، قناعت پسندی اور علمی وعملی خدمات کی بنا پر تاریخ میں اپنے پائندہ وتابندہ نقوش چھوڑ گئے۔

اللہ تعالیٰ حضرتِ والا کی خدمات کو قبول فرمائیں، ان کے فیض کو بطور صدقۂ جاریہ عام وتام فرمائیں، سیئات سے درگذر فرما کر حسنات کو قبول فرمائیں، اعلیٰ علّیین میں جگہ نصیب فرمائیں اور اس دورِ قحط الرجال میں امّتِ مرحومہ کو ایسے بیسیوں مخلص وخاموش خدمت گزار عنایت فرمائیں، آمین۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم، مشفق اساتذہ کی توجہات اور والدین کی دعاؤں کی برکت سے یہ تحریر مؤرخہ: ۱۵/ جمادی الاخری ۱۴۳۸ھ بہ روز چہار شنبہ پایۂ تکمیل کو پہنچی، اللہ تعالیٰ اس ''عجالۂ نافعہ'' کو راقم آثم، قارئین اور پوری امتِ محمدیہ کے حق میں نافع بنائیں، آمین۔

کتبہ: عبداللہ بلساڑی عفی عنہ

متعلم: عربی پنجم، جامعہ ڈابھیل

مؤرخہ: ۱۵/ ۶/ ۱۴۳۸

بہ روز: چہار شنبہ، بعد العصر